☆ ڈاکٹر نسیم اختر

# تصوف اور معاشرتی ہم آہنگی: سرائیکی کلاسیکل شاعری کے تناظر میں

## Sufism And Harmony in Saraiki Classical Poetry

Abstract:

The present article is an attempt to study mysticism and sufism as the true spirit of religion and also as a bridge of creating harmony and spiritual relation between human being and God. When this bridge of harmony is established, the true Sufi wants to impart this love among other fellow beings. For this purpose, the Sufi poets used such subjects in their poetry that help in spreading peace and love among the followers of different religions and cultures. In Saraiki language, this article tries to explore the contribution of Baba Fareed, Sultan Bahoo, Hafiz Jamal Multani and Khawaja Gulam Fareed.

***Keywords:*** *Saraiki Poetry, SUFISM, Mysticism, Peace, Harmony, Baba Fareed, Sultan Bahoo, Hafiz Jamal Ullah Multani, Khawaja Ghulam Fareed*

تصوف مسلم عملی فکر کا ایک اہم مکتب ہے جو مذہب کی روح سمجھا جاتا ہے ۔حقیقت میں اپنے مالک و خالق کے ساتھ باہمی ربط اور حقیقی رشتے کا نام ہے۔ یہ رشتہ جب بندے اور مخلوق کے درمیان اُستوار ہوتا ہے تو ہر ذی روح کے ساتھ محبت کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔سورج کی کرنوں کی طرح متصوفانہ فکری لہریں بلا تفریق ہر کسی کو مستفید کرتی ہیں۔اس رشتے میں جب صوفی عاشقِ حقیقی کے عشقِ بے کراں کا اَسیر ہوتا ہے تو اُس کا اندر اور باہر شادمانیوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتا ہے۔ ایسی مسرت صوفی کے ذہن وقلب کو سکون وتسکین کی ایک طراوت سے ممتاز کر دیتی

ہے۔ پھر روح کو خاص تسکین حاصل ہوتی ہے۔ضمیر مطمئن ہوتا ہے اور خودی جواں ہو جاتی ہے۔ پھر حیا، صبر، فقر، تعلق اور سخاوت اُس کی ذات کا وصف بن کر اُبھرتے ہیں۔ ایسے میں کدورت کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ نفس کی لذت جو انسان کو جہنم کے آخری گڑھے تک پہنچا دیتی ہے وہ خود بخود معدوم ہو جاتی ہے۔ صوفی صافی بن جاتا ہے۔ اُس میں مثبت صفات جوان ہو کر جاوید ہو جاتی ہیں اور منفی خصوصیات بھاپ بن کر اُڑ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان خصوصیات بارے یوں بیان فرماتے ہیں:

"تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے۔یعنی سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، صوف پہننا، سیر اور فقیر، سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء ہے۔ رضا حضرت اسماعیل کی اقتداء ہے۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا اتباع ہے۔ اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام کا اتباع، غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی، سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی، صوف پہننا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی اور فقر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔"(1)

دراصل اپنے حالات واقعات میں رہتے ہوئے مقصدِ حیات کی تفہیم کے ساتھ، سنت نبوی پر عمل پیرا ہو کر قربتِ الٰہی کو پانا اور بلا واسطہ اُس ذاتِ باری سے تعلق استوار کرنے کا نام تصوف ہے۔ صوفی نفس کی نفی کے بعد تحت الشعور تک پہنچتا ہے۔ وارداتِ قلبی سے روحانی تجربات اُسے مادی دنیا سے کہیں دُور روزِ اول کے اقرار کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ تمام صورتحال اُسے کشف کی منزلیں طے کراتی ہے۔صوفی جذب و مستی کی کیفیات میں متفرق ہو جاتا ہے۔ ایسے میں جب وہ اپنے محسوسات کو صفحہ و قرطاس پر منتقل کرتا ہے۔جنہیں سمجھنے کے لیے تصوف اور صوفی دونوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ کشف و کرامات کے بعد جب میں اور توں کا سوال ختم ہو جاتا ہے تو پھر صوفی کا ارد گرد محبوب کے شواہد فراہم کرتا ہے۔وہ وحدت اور شہادت کی حسین منزلیں طے کرنے لگتا ہے۔صوفی جب داخلیت اور خارجیت میں صرف 'ایک' کو پاتا ہے تو "واحدہ لا شریک اللہ" پر راسخ العقیدہ ہو جاتا ہے۔

اگر برصغیر کی بات کی جائے تو مختلف سلسلہ ہائے تصوف سے مختلف صوفیاء کرام یہاں تشریف لائے۔ اُنھوں نے وقت اور حالات کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کی۔ ان صوفیاء کرام نے لوگوں کو اُن کی معاشرتی مقبول زبان میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ اُن کا حق کا پیغام "دین میں کوئی جبر

نہیں" معداق تھا۔ اُنھوں نے دینی و مذہبی پیغام اپنی صلاحیت اور عمل کے ذریعے لوگوں میں متعارف کرائے۔ اپنے آستانوں کو اَمن کا گہوارہ بنایا۔ آپسی تفریق وتقسیم کو پس پشت ڈالتے ہوئے برابری کو تقویت بخشی۔ لوگوں میں مذہبی تفاوت سے پھیلی نفرت ختم کی۔ اُنھوں نے لوگوں کی اصلاح، بہتری اور ترقی کے لیے انھیں ایک مرکز فراہم کیا۔ جہاں وہ اپنی نفسیاتی گھٹن کو پاٹتے ہیں۔ ان کی ذہنی الجھنوں کا اِنخلا ہوتا ہے اور وہ معاشرے کے اہم اور کارآمد رُکن بن جاتے ہیں۔

صوفیاء کرام کے خیمے، تھلے اور ڈیرے جب اَمن کی پناہ گاہ تھے تو اُس وقت اُس سے باہر انتشار پر مبنی نہ ختم ہونے والی سیاست و معاشرت لوگوں کو پریشان کر رہی تھی۔ جب اِن صوفیاء کرام نے منتشر الذہن معاشرے کو اللہ کی خوشنودی کے لیے سجانا سنوارنا چاہا تو اُنھوں نے عوام کو اُن کی اپنی علاقائی زبان کے نثر ونظم میں پیغام پہنچایا۔ اپنی وارداتِ قلبی کو بھی اُن کے تئیں بانٹا۔ لوگوں نے پیغام کو سُنا، پڑھا اور عملی صورتوں میں قبول کیا۔ عملی صورت میں قبول کرنے کا مطلب ایک ہم آہنگی کا پیدا ہو جانا ہے۔ جس کا نتیجہ امن، سکون اور خوشی و اطمینان کی صورت نظر آتا ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ جیسا جید عالم، صوفی اور شاعر جب کہتا ہے:

بندرا بن میں کھیلے ہوری، شام دوارے میرو لال
پی کے پے سنگ پریم کٹوری، ناچت گاوت رنگ رس تال [2]

صوفیاء کرام و بزرگانِ دین دینی و اخلاقی تبلیغ میں اخلاقی پہلو کو اوّلیت دیتے تھے تا کہ ہندو مسلم متحدہ معاشرے میں کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ سب مذاہب کو احترام دیا جاتا تھا تا کہ پیغام اخلاق سب تک برابر پہنچے اور معاشرتی امن اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ یہ خواجہ غلام فریدؒ کی کافی نمبر 70 کے دو مصرعے ہیں۔ یہ کافی ہندی میتھالوجی اور تلمیحات کا مجموعہ ہے۔ خواجہ صاحبؒ کا وسیب مخلوط وسیب تھا۔ جہاں ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کو اسلام کا پیغام دیا جاتا تھا اور ہندو مکتبہ فکر کے لوگ جو اُن کی محفل اور درس میں شامل ہوتے، اُن تک بھی روحانی تسکین پہنچانے کی کوشش ہوتی۔ معاشرے میں اتحاد کے یہ پیامبر اپنی تعلیمات میں کسی بھی طبقے کو فراموش نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اور دیگر اِن صوفیاء کرام سے یکساں عقیدت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ خواجہ غلام فریدؒ ایک اور شعر میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

اپنی حقیقت گول توں بے کوں نہ اَصلوں پَھول توں
یاد رکھ اساڈا بول توں آئیں نہ شک، ہے محض پک [3]

صوفی شاعر امن جوئی کی بات کرتا ہے۔ ایسی باتیں یا عمل جس سے مذہبی و سیاسی انتشار کا اندیشہ ہو وہ لوگوں کو اُس سے دور رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ انتشار فساد یا بدامنی کی ترغیب نہیں دیتا بلکہ لوگوں کو ہر اُس عمل سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے جس عمل کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو۔

جس طرح رب ذوالجلال نے فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ [4]

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ بہت سے فرقے بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے

صوفی جب خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ بنتا ہے تو وہ نہ زبان کی سادگی کو بھولتا ہے اور نہ ہی بول چال میں ملاوٹ اور چاشنی کو فراموش کرتا ہے۔ یہ چاشنی بھرا کلام جب لوگوں کے سامنے راہِ حق کی تبلیغ کی صورت میں پہنچتا ہے تو اسلام کا پیغام امن و آشتی دیگر مذاہب کے لوگوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ احساس و یقین کی خوشبو سے معطر کلام وقت کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ گویا کلامِ صوفیاء وقت کی قید سے ماورا ایک بے مثل پیغام امن و ہم آہنگی ہے۔

جیسے بابا فرید کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

آپ سنواریں میں مِلیں، میں مِلیاں سُکھ ہوءِ
فریدا جے توں میرا ہوءِ رہیں، سبھ جگ تیرا ہوءِ

ترجمہ: اے فرید! اگر تو اپنے آپ کو سنوارے تو میں ملوں اور ملنے سے دائمی سُکھ ہو اور اگر تو میرا ہو جائے تو سب جگ تیرا ہو۔ [5]

جب انسان دنیاوی خواہشات، حرص، مکروریا، دولت اور نفسیاتی خواہشات کا پیرو بن جاتا ہے تو معاشرے میں بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ منفی سوچ اور منفی رویے بے سکونی کا موجب ہو بنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے معاشرتی امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ بابا فریدؒ انسان کو راہِ حق کی دعوت دیتا ہے، اپنے رب کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کی تلقین کرتا ہے کیونکہ اپنے خالق کے ساتھ تعلق جوڑنے والا لوگوں کے ساتھ نیاز مند رہتا ہے اور معاشرتی ہم آہنگی و امن کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

مذہب اسلام جہاں انسانیت کی فلاح کی بات کرتا ہے وہاں ہر مذہب اپنی تعلیمات میں انسان دوستی اور امن پسندی کی بات کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام کی تعلیمات کا سب سے بڑا موضوع انسان دوستی ہے۔ جس کا حتمی نتیجہ معاشرتی امن ہے۔مختلف اداروں اور محققین نے اس کی اہمیت و افادیت پر بات کی ہے:

> "A system of thoright that considers that solving human problems with the help of reason in more important than regligous beliefs. it emphasizes the fact that the basic nature of humans is good. " (6)
>
> ترجمہ: ایک ایسا نظامِ فکر جو یہ سمجھتا ہے کہ انسانی مسائل کو عقل کی مدد سے حل کرنا مذہبی عقائد سے زیادہ اہم ہے۔ یہ اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ انسانوں کی بنیادی فطرت اچھی ہے۔

انسان دوستی، امن پسندی اور انسانوں کے درمیان ہم آہنگی دراصل ایک ذہنی رویہ ہے۔ جس پر مذہبی چھاپ بھی لازم ہے۔ جیسے اسلام فلاحِ بشر، عظمت بشر، احترام بشر پر زور دیتا ہے۔اب ان عقائد پر عمل اور ردِ عمل کی صورت میں معاشرتی امن اور سُدھار دیکھنے کو ملتا ہے۔جب یہ قوموں کی ثقافتی زندگی کا حصہ بنتا ہے تو ادب کا بھی اہم موضوع بن جاتا ہے۔ثقافتی عمل اور ادب کے ذریعے یہ پیغام بہت تیزی سے پھیلتا ہے۔پھر صوفیاء کرام کے اخلاقی نصب العین کا تصور خدا کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

> ''صوفیاء کا اخلاقی نصب العین کا تصور خدا کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اُن کے نزدیک اخلاقیات کا مسئلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ انسان کا اس کائنات میں کیا مقام ہے۔ چنانچہ صوفیاء کا نظریۂ اخلاق خدا، انسان اور کائنات کے باہمی تعلق سے مکمل ہوتا ہے۔خیر اعلیٰ کی تلاش انسان کا اخلاقی نصب العین ہے جسے صوفی تلاش حق کا نام دیتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک خیر اعلیٰ خدا ہے۔''(7)

تصوف میں خدا شناسی دراصل دنیاداری سے گریز اور انسان سے محبت کا دو محوری زاویہ ہے۔جس کے تحت سالک کی ایسی تربیت ہوتی ہے جس میں وہ ہمیشہ حقوق العباد کا خیال رکھتا ہے۔ کیونکہ تصوف کی ایک تعریف و رمز اخلاق حسنہ بھی ہے جن کی اعلیٰ مثال خود ہمارے صوفیاء کرام ہیں۔ اخلاق ،محبت، امن اور انسان دوستی اور اصلاح معاشرہ کی جو مثالیں بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے

اشلوکوں میں ملتی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ ایک بے مثال صوفی اور رہبر انسانیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سکھوں نے اپنی مقدس کتاب ''گروہ گرنتھ'' میں آپ کے اشلوک شامل کیے اور اُنھیں اپنے مذہب کا حصہ بنایا۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ کریں:

جو تیئں مارن مکیاں، شہاں نہ ماریں گھُم
آپنے گھر جائیے، پیر تنہاں دے چُم

ترجمہ: اے فرید اگر تجھے کوئی غصے سے گھونسا مارے تو تُوں جواب میں ان کو نہ مار۔ اُن کے پاؤں کو چوم کر گھر چلے جاؤ۔ (8)

تصوف میں اخلاقیات، صبر وتحمل اور امن کی یہ تحریک صوفی کو قرآن سے ملتی ہے۔ کیونکہ قرآن میں مرکزی موضوع انسان ہے۔ انسان کی تکریم اور انسانیت کی روش پر مذہب کی تعلیم ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ

ترجمہ: پس جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے، بیشک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ (9)

اسی فرمان کا درس بابا فریدؒ اپنی شاعری کے ذریعے عام لوکائی تک پہنچا رہے ہیں۔ اس کا بنیادی مقصد لوگوں کا ایک دوسرے کو برداشت کرنا اور غلطی کی صورت میں دوسروں کو معاف کر دینا ہی ہے جس کی عملی صورت میں معاشرتی امن کو تقویت ملتی ہے اور باہمی اتفاق و ہم آہنگی پروان چڑھتی ہے اور ایسی صورت میں قومیں ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی ہیں۔ معاشرے میں غرور، تکبر اور اَنا پرستی بگاڑ کا سبب بنتی ہیں جبکہ نرم خوئی عاجزی و انکساری، صبر و متانت امن کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں بابا فریدؒ کا یہ اشلوک ملاحظہ کریں:

فریدا میں نُوں مار کے مُنج کر نکی کر کے کُٹ
بھرے خزانے رب دے جو بھاوے سُو لُٹ

ترجمہ: اے فرید! اپنی مَیں (خودی) کو مار مار کر منج کی طرح باریک کر کے کوٹ پھر خدا کے بھرے خزانے سے جو چاہے لوٹ۔ (10)

اسلامی سبق پر عمل پیرا ہوتے ہوئے صوفیاء کرام نے دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کا درس دیا ہے جو درس قرآن بھی ہے۔ اس کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے صوفیاء کرام نے بار بار محبت، اخلاص اور اَمن کا درس دیا ہے تاکہ سماج واسیوں میں ہم آہنگی پروان چڑھے اور سماج امن کا گہوارہ بن جائے۔ صحت مند، توانا اور اعلیٰ سوچ و عمل صحت مند سماج کی تشکیل کرتے ہیں جس میں انسان ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، محبت سے زندگی گزارتے ہیں اور پُرسکون انداز میں حیاتِ عارضی کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر خوشی خوشی منزل کے آخری کنارے پہنچ جاتے ہیں۔

دوسری طرف منافقت، تنگ دلی انسانیت کی دشمن ہے، معاشرتی تنزلی کا سبب ہے۔ سماجی امن کی مخالف ہے اور معاشرے میں بدامنی کا راستہ ہموار کرتی ہے مگر محبت خدا تک پہنچا دیتی ہے اور خدا کی مخلوق کے دلوں میں گھر بنا لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قادرِ المطلق جب نظام کائنات کے مخالف عناصر کو اُبلتے ہوئے دیکھتا ہے تو چند برگزیدہ لوگوں کے ذریعے اُن کی اصلاح فرماتا ہے جو اُنھیں پیار و محبت کا درس دیتے ہیں، امن کی راہ گزر سے آشنا کرتے ہیں، سُکھ، امن، شانتی اور نمانتا کی تبلیغ کرتے ہیں تاکہ دیگر لوگوں کی طرح اُن کی حیاتی بھی سفل ہو جائے اور دنیاوی زندگی کی طرح اُخروی حیات بھی کامیابی سے ہم کنار ہو۔ یہ درس امن، درسِ نمانتا و محبت حضرت سلطان باہوؒ کے کلام میں بھی ملتا ہے:

جیوندیاں مر رہنا ہے تاں دیس فقیراں بہیے ھُو
جے کوئی سُٹے گُدڑ کوڑا وانگ اُروڑ رہیے ھُو
جے کوئی ڈیوے ہاں گالھاں مہنے اُس نوں جی جی کہیے ھُو
گِلا اُلاہماں بھنڈی خواری یار دے پاروں سہیے ھُو
قدر دے ہتھ ڈور اساڈی جیوں رکھے تیوں رہیے ھُو (11)

انسان کو اس کائنات میں نمانتا یعنی عاجزی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ کوئی غلطی کرے تو ردِعمل کی بجائے درگزر کرنا چاہیے۔ صبر سکونِ زیست کی اعلیٰ کلید ہے۔ محبت حکم ربی ہے جو ہر نفرت کا توڑ ہے۔ محبت کو آلہ جنگ بنانے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ دوسرا شکر اور توکل ہے رب جس حال میں رکھے خوش رہنا چاہیے۔ توکل اور صبر سے انسانوں میں ہم آہنگی بڑھتی ہے اور پیار و محبت کے رشتے اُستوار ہوتے ہیں۔ ایسے میں سماج پُر امن رہتا ہے۔

سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ اس عجز و انکساری، نمانتا اور منکسر المزاجی کے لیے اگر انسان

اپنی جان و مال بھی گنوا دے تو کم ہے کیونکہ اگر اس عجز و انکساری کے ساتھ کسی کو رب مل جائے تو پھر اور کیا چاہیے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

مال جان سب خرچ کیجیوے کرے خرید فقیری ہُو
فقر کنوں رب حاصل ہووے کیوں کیجئے دلگیری ہُو
دنیا کارن دین ونجاون کُوڑی شیخی پیری ہُو
ترک دنیاوی کیتی باہوؔ، شاہ میراں وی میری ہُو (12)

جتنے بھی صوفی شعراء کرام گزرے ہیں وہ حسنِ اخلاق کی عمدہ تصویر تھے۔ اُن کی بہترین و اعلیٰ اخلاقی قوتوں نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ جب لوگ پروانوں کی طرح جل مرنے کے لیے تیار ہو گئے تو اُنھیں درس امن و آشتی دیا۔ وحدانیت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سماجی تربیت بھی کی۔ جس سے احترامِ آدمیت میں اضافہ ہوا۔ اس حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

"حسنِ اخلاق دے لحاظ نال آپ بہترین لوکاں وچوں ہن۔ کہیں شخص دی کہیں عادت کوں مکروہ سمجھن ہا تاں زبان نال اَبّے تبّے نہن کریندے۔ بلکہ تصریفاً یا تمثیلاً سمجھیندے ہن، اتے ایں طرح منع کریندے ہن جو اور آدمی آپ ای آپ سمجھ ویندا ہا۔"(13)

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے یہ تحریر جید صوفی جمال اللہ ملتانیؒ سے متعلق لکھی ہے۔ وہ حافظ جمال اللہ ملتانی جنھوں نے اپنی سی حرفی میں لفظ 'دھی' (بیٹی) کو استعارہ بنا کر سماجی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ جس طرح انسان اپنی بیٹی کو اچھی تربیت دینے کی کوشش کرتا ہے، ویسے ہی حافظ جمال اللہ ملتانی سماج کو اس دنیا اور اُخروی دنیا سے متعلق آگاہ کرتے ہیں اور اپنی سی حرفی کے ذریعے لوگوں کو عجز و انکساری کے ساتھ وقت گزارنے کی بات کرتے ہیں۔ غرور و فخر کی نفی کرتے ہیں۔ خوش اخلاقی کا درس دیتے ہیں اور نیکی کے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں۔ جیسے یہ مصرعے ملاحظہ کیجئے:

غ: غریبی پکڑ دھیا توں ناں کر اے مغروری
ایں دنیا اِتبار نہ کوئی حرص کنوں کر دُوری
شوہ دے نال محبت تیڈی شالا دُھکے پوری
جنھاں کیتی پاک کمائی لَہن جمالؔ مزوری (14)

جمال اللہ ملتانیؒ معاشرے کی ایسے اصولوں کے تحت پرورش کرنے کے خواہاں ہیں جو اُصول معاشرتی امن کی ضمانت ہوں جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

ض: ضرور مَر ویسیں دِھیا مِٹھا جگ اَلائیں
چنگیاں نال رہیجے چنگاں پیت پریت وَدھائیں
بٹھ بُرے دے راہ کُنوں توں مجلس مول نہ باہیں
خاک جمالؔ جے توں تھی رَہویں تاں کجھ فائدہ پاویں (15)

انسان کی زندگی فانی ہے اور یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے۔ اپنی مختصر زندگی کو پیار ومحبت، امن و آشتی، عجزوانکساری، توکل وصبر سے گزارنا ہمارے صوفیاء کرام کا شیوا ہے اور اُن کا عملی و ادبی درس ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر آپسی عارضی رشتوں کو سنوارا اور اُخروی زندگی کو سدھارا اور کامیاب کیا جا سکتا ہے۔

# References:

* Director Saraiki Area Study Centre, Bahauddin Zakariya University, Multan

1- Qasim Mahmood, Syed- Shahkar Islami Encyclopedia (Lahore: Al-Faisal Nashran and Tajran Books, 2013)603.

2- Noor Ahmad Khan Faridi, Maulana (Translator)- Dewan-e-Farid (Multan: Qasr-ul-Adab, 1978)562, 564.

3- As Above, 537.

4- Al-Quraan, Inam-159.

5- Hamidullah Shah Hashmi, Professor (Translation and Interpretation), Kalam Hazrat Baba Fariduddin Masood Ganj Shakar (Lahore: Sheikh Muhammad Bashir and Sons, 2002)104.

6- https//www.oxfordlearnerdictionaies.com

7- Muhammad Amin, Dr.- Wajudiyat aor Tasawar (Islamabad: National Book Foundation, 2019)83.

8- Hamidullah Shah Hashmi, Professor- Kalam Hazrat Baba Fariduddin Masood Ganj Shakar, 46.

9- Al-Quraan, Shoora-40.

10- Hamidullah Shah Hashmi, Professor- Kalam Hazrat Baba Fariduddin Masood Ganj Shakar, 90.

11- Nazir Ahmad, Prof., Dr. Syed (Compiler)- Kalam Sultan Bahu (Lahore: Midway International, 1999)34.

12- As Above, 79.

13- Mehar Abdul Haq, Dr.- Noor-e-Jamal, (Multan: Saraiki Adabi Board, 1974)29.

14- As Above, 48.

15- As Above, 70.

نوٹ: (محقق دی رائے نال ادارے دا متفق ہونا ضروری نہیں)